ہو جانے پر اس کی حیثیت صرف ایک رائے کی نہیں رہ جاتی بلکہ وہ شریعت کے نصوص کی طرح ایک حجت شرعی بن جاتا ہے جس کی مخالفت کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں البتہ یہ اجماع اسی حکومت کے مسلمانوں کے لیے حجت ہوگا لیکن دوسروں کے لیے حجت نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس اجماع کی حیثیت اجماع امت کی نہیں۔ چنانچہ اس اجماع کے خلاف بھی اجماع ہو سکتا ہے۔ (۱۴)

مولانا اصلاحیؒ دورِ حاضر میں دعوت دین اور اقامت دین کے ایسے تصور کے موجد تھے جو عصر جدید کے انسان کی نفسانیت اور ذہنی رجحانات سے بھی ہم آہنگ ہے اور تمدنی ترقی کے دور میں قابل عمل بھی۔ 'دعوت دین اور اس کا طریق کار' میں انھوں نے دعوت و تبلیغ کے کام میں موجود غلطیوں کو واضح ہی نہیں کیا بلکہ دعوت کے نبوی منہج کو ایک نیا پیرایہ بیان بھی عطا کیا ہے۔

علم تصوف کے نام پر دین میں در آنے والی بہت سی خرابیوں کی نشاندہی کر کے تزکیہ نفس کی اصل بنیادوں، معرفت الٰہی اور اتباع سنت کی تجدید کی مقام احسان کی تلاش کے لیے اپنی ذات، خاندان، معاشرے اور ریاست کے ساتھ تعلق کے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی۔ ان کی تحریروں میں زور استدلال اور علم کلام کا ایک نیا آہنگ بھی نمایاں ہے۔ غرضیکہ مولانا اصلاحیؒ دور جدید کے نبض شناس، فکر و فلسفہ کی تجدید کے داعی، قدیم و جدید علم کلام کے رمز شناس اور علوم اسلامی کی تشکیل جدید کے نقیب ہیں۔

حوالہ جات

(۱) تدبر قرآن، جلد اول، مقدمہ

(۲) ایضاً

(۳) خورشید احمد 'مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی یاد میں'، ماہنامہ 'ترجمان القرآن' لاہور، مارچ ۱۹۹۸ء،

(۴) رفیع مفتی، 'تصانیف اصلاحی کا اجمالی تعارف' ماہنامہ اشراق،
لاہور، جنوری-فروری ۱۹۹۸ء

(۵) مولانا اصلاحیؒ 'مبادی تدبر حدیث' طبع: لاہور، ص: ۲۸

(۶) ایضاً ص: ۱۹

(۷) ایضاً ص: ۲۹

(۸) مولانا اصلاحیؒ 'سنت خلفائے راشدین' ماہنامہ 'ترجمان القرآن'
لاہور، فروری ۱۹۵۶ء۔'

(۹) مولانا اصلاحی، 'عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ، طبع فیصل آباد، ص: ۵۶
مولانا اصلاحیؒ، 'اسلامی قانون کی تدوین'، طبع: لاہور، ص: ۴۷

(۱۰) مولانا اصلاحیؒ، 'اسلامی قانون کی تدوین'، طبع: لاہور، ص: ۳۷

(۱۱) ایضاً ص: ۳۷

(۱۲) ایضاً ص: ۳۶

(۱۳) ایضاً ص: ۷۲

(۱۴) ایضاً ص: ۷۵

دانائے راز

محبوب سبحانی

عالم اسلام کے عظیم مفکر اور مجتہد، منفرد اور نامور مفسر قرآن، بلند پایہ محقق، حق شناس، حق نیوش اور حق گو، حلم واخلاق کے پیکر، درویش مزاج مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی سب سے عظیم دینی اور ملی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے کتاب اللہ پر غور وفکر کی مجتہدانہ راہ کھولی۔ یہ راہ قرآن کی زبان سے کما حقہ واقفیت نہ ہونے، عربی زبان وادب، عربوں کے عادات وخصائل، ان کے معاشرہ اور سماجی روایات کا کامل استحضار نہ ہونے، نیز متضاد روایات وتاویلات کی کثرت اور آیات کی بے ربطی کو حسن سمجھنے کی وجہ سے بڑی حد تک مسدود ہو چکی تھی۔ جب یہ راہ کھل گئی تو صرف قرآن مجید کو سمجھنا آسان نہیں ہوا بلکہ حدیث وفقہ پر غور کرنے کی نئی راہیں بھی کھل گئیں۔ فلسفہ کے کئی دقیق مسائل حل ہوئے، تزکیہ نفس کا تصور بھی درست ہوا۔ علم الانسان پر نئی روشنی پڑی اور قرآن مجید کو بے ربط قرار دینے والے متعلق مستشرقین کی دو صدیوں کی کاوشیں بھی خاک میں مل گئیں۔ توحید اور دینی تصورات، رسالت کی حقیقت اور آخرت کی ضرورت جیسے امور سامنے دل نشین پیرائے میں واضح ہو گئے۔ ان تمام امور پر بحث مولانا کی عظیم الشان تفسیر تدبر قرآن کے چھ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ جو مولانا کی پچاس برس کی ریاضت کا ثمرہ ہے۔ ان میں سے بعض مسائل پر مولانا نے مستقل کتابیں بھی لکھیں اور لکچر بھی دئے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے خیرکم من تعلم القرآن و علمه (تم میں بہتر شخص وہ ہے جو قرآن خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے)۔ مولانا اس کے

مصداق تھے۔ انھوں نے تقریباً ستر سال قرآن سیکھنے اور سکھانے پر صرف کیے۔ قرآن مجید پر غور و فکر کا طریقہ انھوں نے اپنے استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ سے سیکھا جو متبحر عالم اور اس طریقہ کے بانی ہیں۔ وہ اس راز سے آگاہ تھے کہ آہ سحر گاہی کے بغیر کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس لئے وہ تہجد کے وقت بیدار ہوتے اور نماز کے بعد قرآن مجید پر غور و فکر کرتے۔ جس کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ قرآن کی سورتیں جوڑا جوڑا ہیں جو مل کر ایک مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان میں تعلق اجمال و تفصیل کا بھی ہو سکتا ہے اور مختلف انداز استدلال کا بھی۔ دونوں میں سے ایک سورہ دوسری کے برعکس مضمون کی بھی حامل ہو سکتی ہے۔ نیز ایک کی حیثیت دوسری کے لئے تتمہ اور تکملہ کی بھی ہو سکتی ہے۔ اس طرح وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ قرآن مجید کے سات گروپ ہیں جن میں سے ہر گروپ ایک خاص مضمون کا حامل ہے، جو اس کا عمود ہے اور تمام سورتیں بھی اس عمود کے ساتھ منسلک اور اس کے کسی نہ کسی پہلو کو واضح کرتی ہیں۔ ہر سورہ اندرونی طور پر بھی مربوط مضامین کی حامل ہوتی ہے۔ اس طرح قرآن مجید پر غور و فکر کرنا بڑا مشکل اور پتہ ماری کا کام ہے۔ بڑے بڑوں نے اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا تھا لیکن مولانا نے شبانہ روز کی محنت کے بعد اس کو الٹ دیا جس کے نیچے سے علم و معرفت کے سوتے پھوٹے۔ اس دور کا ایک بڑا اہم سوال یہ ہے کہ ایک زمانہ میں قرآن مجید نے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دئے تھے لیکن آج ایسا کیوں نہیں ہو رہا ہے۔ مولانا کی تحقیق کی روشنی میں اس کی یہی وجہ سامنے آتی ہے کہ کسی آیت کو اس کے سیاق و سباق سے ہٹا کر جو معنی چاہیں پہنائے اور مختلف اور متضاد مطالب اخذ کئے جا سکتے ہیں اور یہی وہ اختلاف اور تضاد ہے جس نے مسلمانوں کو بانٹ دیا ہے۔ اگر آیت کو سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھا جائے تو اس کا ایک ہی مطلب نکل سکتا ہے۔ اس طرح نظم قرآن کا لحاظ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ختم کرنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

مولانا نے قرآن فہمی کی خاطر تمام متعلقہ علوم کا گہرا مطالعہ کیا۔ انھوں نے ہر موضوع کی امہات کتب کا مطالعہ کیا جس کی وجہ سے وہ ان علوم کی تہ تک پہونچ

گئے۔ عربی زبان وادب اور صرف و نحو پر تو انہیں اتنی دسترس حاصل تھی کہ وہ ان کے راز داں اور ادا شناس بن گئے۔ مولانا کو قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت اور اعجاز بیان، اس کے اسالیب، اقسام، تشبیہات، تمثیلات اور محذوفات پر بڑا عبور تھا۔ قرآن نے توحید، رسالت اور آخرت کے حق میں آفاق وانفس، عقل وفطرت کے جو دلائل دئے اور جو تاریخی شواہد پیش کئے ہیں، مولانا نے ان کا گہرا ادراک حاصل کیا جس سے ان کو قرآن مجید کی مشکلات حل کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ ان کی تمام تصانیف میں یہ دلائل وشواہد بہ کثرت نظر آتے ہیں۔

مولانا کی زندگی کا محور ہمیشہ کتاب اللہ ہی رہی، خلوت میں اسی پر غور ہوتا، جلوت میں اسی کا ذکر ہوتا، ہر بزم اسی کے بیان سے معطر ہوتی، لکھتے تو گنجینہ معانی کا دفتر کھل جاتا اور صفحہ قرطاس پر موتی پروئے جاتے۔ یہ کام مولانا بڑے شوق وذوق سے کرتے۔ اس سے انہیں کبھی گرانی محسوس نہ ہوتی۔ جب کسی آیت کا مطلب واضح طور پر سمجھ میں نہ آتا تو اس پر مسلسل غور کرتے۔ جب یہ مشکل حل ہوتی تو بڑے خوش ہوتے۔ ایک مرتبہ میں مولانا کے پاس گیا تو بہت خوش نظر آرہے تھے۔ کہنے لگے آج انھوں نے ایک قلعہ فتح کر لیا۔ استفسار پر بتایا کہ سورہ فتح کی ایک آیت کا نظم واضح نہیں ہو رہا تھا۔ ایک مہینہ کے غور وخوض کے بعد یہ مشکل حل ہوئی۔ اس کام میں جس قدر مشکل پیش آتی اسی قدر ان کے شوق تجسس کو مہمیز لگتی۔ ؎

رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ان کی سوچی سمجھی رائے یہ تھی کہ اس طرح کے مقامات بے حد اہم ہوتے ہیں اور ان بھاری پتھروں کے نیچے بہت بڑا خزینہ ہاتھ لگنے کا امکان ہوتا ہے۔ اس پر جتنی زیادہ محنت صرف ہوگی اتنا ہی بڑا خزانہ ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ قرآن مجید سے اس گہری قلبی اور ذہنی وابستگی کی بدولت قرآن مجید ان کے دل کا قرار، ان کے سینہ کا نور، ان کے غم کا مداوا اور ان کی جملہ پریشانیوں اور افکار کا علاج بن گیا، جس کی درخواست وہ روزانہ تہجد کی نماز کے بعد اپنے رب سے کرتے۔

نظم قرآن کو سمجھنا نہایت مشکل کام ہے لیکن اس کی بنیاد پر تفسیر لکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ مخالفین نظم یہی کہتے ہیں کہ اس بنیاد پر ایک دو سورتوں کی تفسیر تو لکھی جا سکتی ہے لیکن پورے قرآن کی تفسیر لکھنا ممکن نہیں۔ مولانا نے یہ کام بھی کر دکھایا۔ اس کام میں ان کی رہنمائی کے لئے مولانا فراہی کی چند سورتوں کی تفاسیر تھیں۔ تفسیر لکھنے کا کام وہ ۲۳ / سال تک عسر ویسر ہر حال میں کرتے رہے۔ حتی کہ پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں میں جہاں ان کی اہلیہ کی کچھ زمین تھی وہ یہ کام لالٹین کی روشنی میں کرتے رہے اور شیشم کے درخت کے نیچے بیٹھ کر مچھروں اور مکھیوں کی یلغار میں بھی تفسیر لکھتے رہے۔ تفسیر کا خاکہ انھوں نے ملتان جیل میں تیار کیا تھا جہاں ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف چلنے والی تحریک کے سلسلہ میں ڈیڑھ سال کے لئے قید کر دئے گئے تھے۔ اگست ۱۹۸۰ء میں انھوں نے یہ مہتم بالشان کام مکمل کیا اور دیباچہ میں لکھا کہ "جو بوجھ میں ۲۳ / سال سے اٹھائے ہوئے پھر رہا تھا اس سے سبک دوش ہو گیا ہوں۔ جس لئے جیتا تھا وہ کام مکمل ہو گیا اس لئے اب جینے میں کیا لذت باقی رہ گئی۔" اپنے طریقہ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے تفسیر کے دیباچہ میں لکھا کہ انھوں نے کہیں بات بنانے کی کوشش نہیں کی۔ جس آیت کا سیاق و سباق سے جو مطلب نکلتا ہے وہ لکھ دیا۔ جو بات سمجھ میں نہیں آئی وہ بھی واضح کر دی۔ مولانا کے انکسار کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے اپنی عظیم الشان تفسیر کو اپنے استاد امام فراہیؒ کا صدقہ قرار دیا ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے "مجھے بڑا فخر ہوتا اگر میں یہ دعوی کر سکتا کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے سب استاد مرحوم ہی کا افادہ ہے۔ اس لئے کہ حقیقت یہی ہے لیکن میں یہ دعوی کرنے میں احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا میری کوئی غلطی ان کی طرف منسوب ہو جائے۔"

مولانا کو قرآن کی ہر بات پر پختہ یقین تھا، اس کے خلاف کوئی بات تسلیم نہیں کرتے تھے۔ انہیں جس بات پر پورا جزم ہو جاتا وہ مخالفت کی پروا کئے بغیر اس کو لکھ دیتے جیسا کہ سورہ نور کی تفسیر میں رجم کے مسئلہ پر اپنی تحقیق بیان کی۔ اس کی

ہر طرف سے مخالفت ہوئی لیکن مولانا اپنی رائے میں تبدیلی پر اس لئے آمادہ نہ ہوئے کہ قرآن کے الفاظ رجم کی سزا کے نفاذ کے لئے خاص نوع کے جرم کا تقاضا کرتے تھے۔ مولانا سقراط کی یہ بات جس کو وہ سر آمد حکماء یونان کہتے تھے' دہراتے تھے کہ جب دوستوں نے سقراط سے کہا کہ سارا ایتھنز ان کا مخالف ہو رہا ہے تو سقراط نے کہا انہیں صرف اس ایک شخص کی پرواہ ہے جو عاقل و فرزانہ ہے۔ مولانا بھی صرف ذی علم حضرات کی رائے کی پرواہ کرتے تھے۔

مولانا کی ایک علمی اور دینی خدمت قرآن مجید کا اردو زبان میں مستند، بامحاورہ، سلیس اور رواں ترجمہ ہے۔ مفسرین کو ترجمہ میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، بالعموم لفظی ترجمہ کیا گیا۔ رواں ترجمہ کرنے کی کوشش میں اصل معنی سے انحراف ہوتا ہے۔ مولانا اس معاملہ میں شاہ عبدالقادرؒ کی عربی دانی اور ترجمہ کے قائل تھے اور اس سے رجوع بھی کرتے تھے۔ اردو میں ترجمہ کرنے میں سب سے بڑی دشواری قرآن کے اسالیب ہیں جو اردو زبان میں مشکل ہی سے ملتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا نے اردو ادب کا گہرا مطالعہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ بعض اسالیب غالب کے یہاں ملتے ہیں جس کی غالب کے قدردانوں کو بھی خبر نہیں ہے۔ تدبر قرآن اعلیٰ علمی اور ادبی زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس کا ہر صفحہ اردو ادب کا شاہکار ہے۔ مولانا نے نئی نئی تراکیب، استعارے اور تشبیہات ایجاد کی ہیں۔ غالبؔ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ الفاظ و تراکیب، استعارے اور تشبیہات ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھیں اور مرزاؔ اپنے اشعار میں جس کو جہاں چاہتے نگینہ کی طرح جوڑ کر معانی کا طلسم پیدا کر دیتے تھے۔ مولانا کے معاملہ میں بھی یہ حقیقت ہے کہ ان کی کتابوں کا ہر صفحہ بلاغت و فصاحت سے مرصع ہے۔ تحریر نگینوں سے جڑی ہوئی ہے۔ طنز بھرپور اور مزاح جانفزا ہے۔ وہ مترادفات کے بادشاہ تھے۔ ایک ہی بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کر کے دلوں پر اس کا نقش بٹھا دیتے۔ تفسیر کا ہر صفحہ دامن دل کو کھینچتا ہے اور کہتا ہے کہ جا این جا است۔ تفسیر کے ادبی محاسن لکھنے کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

پہلے مولانا اپنے آپ کو عقلی انسان کہتے تھے۔ بعد میں انھوں نے اپنی رائے بدلی اور خود کو فطری انسان کہنے لگے۔ مولانا روسو کی طرح عقل کو مردار کتیا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کو انسان کا سب سے بڑا شرف قرار دیتے تھے۔ لیکن وہ کہتے تھے کہ عقل جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے اور زیادہ دور رس بھی نہیں ہے اس لئے وہ وحی الٰہی کی روشنی کی محتاج ہے۔ یہ روشنی میسر آجائے تو عقل ٹھوکر نہیں کھا سکتی۔ مولانا کے نزدیک فاطر السموات والارض نے انسان کی فطرت میں خیر و شر کا شعور سمو دیا ہے۔ انسان کی فطرت عالم اصغر ہے۔ انسان کے اندر ہی سارا خزانہ بند ہے۔ انسانی علوم وافکار اور سائنس کے جملہ اکتسابات تمام تر انسان کی فطرت ہی کا بروز ہے۔ خالق کائنات نے ان تمام چیزوں کو انسان کی فطرت کے نگینہ میں نقش کر دیا ہے۔

مولانا کورانہ تقلید کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی عملی پس ماندگی اور زوال کی ایک بڑی وجہ اندھی تقلید ہے جس سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔ انھوں نے تدبر قرآن میں اپنے استاذ امام مولانا فراہیؒ سے بعض مقامات پر اختلاف بھی کیا جس کو واضح کر کے اپنی رائے کے حق میں دلائل دئے۔ وہ اپنے شاگردوں میں بھی یہی وصف دیکھنا چاہتے تھے۔ حلقہ تدبر قرآن اور ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے زیر اہتمام دروس میں وہ اپنے شاگردوں کی قرآن فہمی کی صلاحیت برابر جانچتے رہتے تھے اور جب کوئی ان سے اختلاف کرتا تو اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔ دلیل سے اس کی رائے کو رد یا قبول کرتے۔

مولانا تصوف کے سخت مخالف تھے۔ وہ اسے اسلام کے متوازی دین سمجھتے تھے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں اپنی مشہور کتاب 'تزکیہ نفس' تحریر کی ہے جس کے متعلق ان کا کہنا تھا کہ یہ ان کے چالیس سال کے غور و فکر کا نچوڑ ہے۔ مولانا کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا اصل کام نفوس کا تزکیہ ہی تھا۔ مولانا کہا کرتے تھے کہ صوفی حضرات لب بند و گوش بند و چشم بند کی تلقین کرتے ہیں۔ جب کہ قرآن مجید کہتا ہے کہ سمع وبصر اور فواد کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے کائنات کا مشاہدہ کرو۔ اس پر غور و فکر کرو